© rasailojaraid.com

پروفیسر غلام احمد حریری - ایم اے

چمنِ ملّت کی شیرازہ بندی اور سرورِ دو عالم

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے جس پہلو کو بھی دیکھا جائے تاباں و درخشاں نظر آتا ہے۔ آپ کے اوصافِ حسنہ کا استیعاب تو ناممکنات میں سے ہے، سیرت کے ایک پہلو کا حق ادا کرنا بھی حیطۂ بشری سے خارج ہے۔ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ کے اخلاق و اوصاف کے بارے میں دریافت کیا گیا تو برملا فرمایا:

كان خلقه القرآن[1] —— آپ قرآنی اخلاق کا زندہ پیکر تھے ——

اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن نے جس سیرت و کردار اور اعمال و اخلاق کی تلقین کرتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا عملی نمونہ تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کو ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ رسالتِ عظمیٰ کے جس منصبِ عالی پر آپ فائز تھے اس کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ایسے ہی اخلاق و عادات کے حامل ہوتے مشہور فلسفی ڈارون کا نظریۂ ارتقاء صحیح ہو یا غلط اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حیوانیت ترقی کے زینے طے کرتے کرتے جس آخری منزل پر پہنچتی ہے وہاں سے انسانیت کا آغاز ہوتا ہے اور جہاں انسانی ترقی کے مدارج و منازل کا اختتام ہوتا ہے وہاں سے رسالت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ پھر اس سے بھی آگے جہاں رسالتِ عمومی کے مزید ترقی پذیر ہونے کے امکانات ختم ہوتے ہیں وہ رسالتِ محمدی کا نقطۂ آغاز ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر زندگی کے جس پہلو کا ذکر و بیان یہاں مقصود ہے وہ آپکی وہ مساعیِ جمیلہ ہیں جو آپ نے امن و اتحاد کے وجود و بقاء کے سلسلہ میں انجام دیں۔ قرآن کریم میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[2] اور ہم نے تو آپ کو سب جہانوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کے رحمتِ عالمیان ہونے کا بھی ایک پہلو نہیں بلکہ آپ کا وجود مسعود اس کائنات کے لیے ہر اعتبار اور ہر پہلو سے پیکرِ رحمت تھا۔ آپ کو جن اخلاقِ حسنہ سے نوازا گیا اور جن کی مقناطیسی جاذبیت نے بڑے بڑے سنگدل کفار کو موم کر دیا وہ

---

[1] بخاری [2] الانبیاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے رحمتِ عالم ہونے کا عظیم ترین مظہر ہیں۔ آپ کی زندگی کا یہی پہلو ہے جس کی برتری کا اعتراف اعداءِ دین تک بھی کرتے چلے آئے ہیں۔

قرآن کریم میں رب قدوس ارشاد فرماتے ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

یہ آپ پر خدا کی رحمت ہے کہ آپ نرم مزاج واقع ہوئے ہیں اگر آپ درشت طبع ہوتے تو لوگ آپ سے بدک جاتے۔

مذکورہ صدر آیت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو لطیف و شفیق بنانے میں رحمتِ خداوندی کا خصوصی ہاتھ سرگرم عمل تھا۔ رحمتِ ایزدی نازل ہو کر آپ کو رحیم و کریم بنا رہی تھی اور آپ پوری کائنات کے لیے آیۂ رحمت اور مرکزِ لطف و عنایت ثابت ہو رہے تھے۔ اس آیت نے دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کی بادرفتاری و تیزگامی کا راز بھی واکر دیا کہ اس میں جہاں دینِ اسلام کی صداقت اور اس کے فطری اصول و قواعد کا عمل دخل تھا تو ہاں آنحضورؐ کے اخلاقِ حسنہ بھی مؤثر پارٹ ادا کر رہے تھے۔ تاریخ اسلام کے اوراق ان حقائق سے معمور و بھرپور ہیں کہ کفار کی خاصی تعداد صرف آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔ افسوس کہ یہ مختصر مضمون ان واقعات کے ذکر و بیان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

آپ نے اسلام کے نام سے جو دین پیش کیا وہ خود آپ کے رحمتِ عالم ہونے کا زندہ ثبوت ہے۔ اسلام کے معنی ہیں "امن و سلامتی"۔ بنابریں آپ کے مبلغِ اسلام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ داعیِ امن و امان تھے اور یہ مشن لے کر اٹھے تھے کہ دنیا میں تخریب و فساد اور عداوت و عناد کے بجائے امن و سکون، الفت و محبت اور عالمگیر دوستی کی فضا پیدا ہو جائے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی شیرازہ بندی کے سلسلہ میں جو مساعیِ جمیلہ انجام دیں وہ تاریخِ اسلام کا ایک زرّیں باب ہے۔ یہ مساعی آپ اس وقت بھی انجام دیتے رہے، جب آپ منصبِ نبوت پر فائز نہ تھے۔ عہدِ رسالت میں بھی اس میں بھرپور حصہ لیا اور جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو آپ کے اقوال و ارشادات سے اتحادِ ملّت کی انجام دہی میں وہی کام لیا جاتا رہا جو آپ عینِ حیات انجام دیا کرتے تھے۔ مگر ان مساعیِ سہ گانہ کا احاطہ نہ ممکن ہے نہ مقصود۔ ذیل میں ان کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:

مساعی قبل از نبوت:

آپ عہدِ قبل از نبوت میں بھی امن و اتحاد کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ دورِ جاہلیت میں عربوں کی لڑائیاں ضرب المثل کی حد تک مشہور ہیں۔ ان لڑائیوں میں "حرب فجار" خاص شہرت رکھتی ہے۔ یہ لڑائی قریش اور قیس کے

© rasailojaraid:com

© rasailojaraid.com

قبیلہ میں ہوئی تھی ۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی فوجیں قائم کیں ۔ آلِ ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے ۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا ۔ پہلے قیس اور پھر قریش غالب آئے ۔ چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا ۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی ۔ لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے "آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا" امام سُہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ نہیں کی ۔"

چونکہ یہ لڑائی ان مہینوں میں پیش آئی تھی جن میں لڑنا ناجائز تھا ۔ اس لیے اس کو "حربِ فجار" کا نام دیا گیا ۔ لڑائی کے متواتر سلسلے نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیے تھے ۔ یہ دیکھ کر طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی ۔ جنگِ فجار سے لوگ واپس آئے تو آنحضور کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے صلح کی تجویز پیش کی ۔ چنانچہ تمیم زہرہ اور تیم کے قبائل عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے ۔ آپ آگے چل کر زمانۂ رسالت میں فرمایا کرتے تھے کہ

"اگر اس معاہدہ کے عوض مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دے جاتے تو میں قبول نہ کرتا اور اگر کوئی آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے بلائے تو میں حاضر ہوں" [2]

اس معاہدہ کو حلف الفضول کہا جاتا ہے کیونکہ جن لوگوں نے اس میں شرکت کی ان کے نام میں "فضیلت" کا مادہ شامل تھا ۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ حضور کو کس قدر عزیز تھا ۔

تعمیرِ کعبہ :

کعبہ کی عمارت صرف قدِ آدم اونچی تھی اور دیواروں پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک میں عیدگاہیں ہوتی ہیں ۔ چونکہ عمارت نشیب میں تھی ، بارش کے زمانہ میں شہر کا پانی حرم میں آتا تھا ۔ اس لیے یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر از سرِ نو زیادہ مضبوط عمارت بنائی جائے تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے لیکن جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا ۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت وہی انجام دے ۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں ۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا اس موقع پر بھی یہ رسم ادا ہوئی ۔ چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا ۔ پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا ، رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے آئے اسے ثالث قرار دیا جائے ۔ سب نے یہ رائے تسلیم کی

---

[1] طبقات ابن سعد ، ج ۱ صفحہ ۸۲ [2] مستدرک حاکم ، ج ۲ صفحہ ۲۲۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے دن تمام قبائل کے معززین موقع پر پہنچے۔ کرشمۂ ربانی دیکھئے کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمال جہاں تاب چہرۂ محمدی ﷺ تھا۔ لیکن رحمتِ عالم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں۔ آپ نے فرمایا، جو قبائل دعویدار ہیں سب کا ایک ایک سردار منتخب کر لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھا کر حجرِاسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں۔ جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے حجرِاسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا[۱]۔ اس طرح ایک سخت لڑائی آپ کے حسنِ تدبیر اور جذبات امن واتحاد کے طفیل ہوتے ہوتے رہ گئی۔

مساعی بعدِ نبوت:

یہ اس زمانہ کی بات ہے، جب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی تھی۔ اس سے خود بخود یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ عہدِ رسالت میں امن واتحاد سے متعلق آپ کی مساعی کا کیا عالم ہوگا؟ منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد زندگی کا جو حصہ مکہ مکرمہ میں گزرا وہ مظلومی ومجبوری کی طویل داستان ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بیکسی وبے بسی کے عالم میں کوئی اہم کارنامہ انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ تاہم آپ اور آپ کے معتقدین نے آغازِ اسلام میں پورے صبروسکون کے ساتھ کفارِ قریش کے جو مظالم برداشت کیے اور ان کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی۔ وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ کس حد تک حامیِ امن وامان تھے۔

مکہ میں تیرہ سال مظلومانہ زندگی بسر کرنے کے بعد وارِد مدینہ ہوئے تو یہاں اوس وخزرج کے متحارب قبائل کی وجہ سے فضا سخت ناسازگار تھی۔ مدینہ کے یہ دو اہم قبیلے عرصۂ دراز سے باہم برسرِپیکار چلے آرہے تھے۔ آپ نے پیغمبرانہ حکمتِ عملی سے کام لے کر الفت ومودت کا وہ صور پھونکا کہ یہ دونوں قبیلے آپ کے دمِ مسیحا سے باہم شیروشکر ہو گئے اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ[۲]	اگر آپ روئے زمین کی دولت خرچ کر دیتے تو ان میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔

اور دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ	اور تم سب خدا کی رسی کے ساتھ چمٹ جاؤ اور فرقے فرقے نہ بنو اور خدا کے احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے

۱۔ مسند طیالسی، جلد اول ص۱۸ ومستدرک حاکم، جلد اول ص۴۵۸ ۲۔ الانفال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا — اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور اس کی مہربانی سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ (آل عمران)

انصار و مہاجرین کے مابین جو رشتۂ مواخات حضورؐ نے قائم کیا وہ حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ مستحکم ثابت ہوا۔ یہود کے ساتھ "میثاق مدینہ" کا معاہدہ قائم کر کے امن و امان بحال کیا اور شر و فساد کے سب دروازے بند کر دیئے۔ اہلِ کتاب کو یہ کہہ کر دعوت دی کہ:

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا (آل عمران)

اے اہل کتاب اس بات کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

نجران کے عیسائی مناظرہ کرنے آئے تو انہیں عزت و احترام سے مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور مذکورۂ صدر عقیدہ پر جمع ہونے کی دعوت دی۔

۲۔ رفع شر و فساد کے سلسلے میں حدیث نبویؐ کی کارفرمائی:

آپ جب تک بقیدِ حیات رہے قیامِ امن و اتحاد کے سلسلہ میں مقدور بھر کوشاں رہے اور اس کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا ---------------- جب اس خاکدانِ ارضی سے تشریف لے گئے تو حدیث و سنت کی صورت میں اپنے اقوال و ارشادات کا جو گنج گراں مایہ امت کو ورثہ میں دیا اس نے رفعِ اختلاف و خلافت کے سلسلہ میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ امت جب بھی انتشار و خلفشار کے دہانہ پر پہنچی، آپ کے زرّیں اقوال عین موقع پر پہنچ کر آیۂ رحمت ثابت ہوئے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے معاً بعد یہ زبردست اختلاف رونما ہوا کہ منصب خلافت کس کو تفویض کیا جائے۔ مہاجرین و انصار میں سے زیادہ حقدار کون ہے۔ انصار کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ

منا امیر و منکم امیر — ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔

صحابہ کا یہ باہمی اختلاف بڑے دوررس اور مہلک نتائج کا حامل ہو سکتا تھا۔ اس نازک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے جہاں یہ جھگڑا بپا تھا اور صحابہ کے مجمع میں یہ حدیث سنائی کہ:

الائمة من قریش — امام قریش میں سے ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں:

فلما سمعوا الحدیث اذعنوا له ورجعوا له[1] — جب انصار نے یہ حدیث سنی تو سر تسلیم جھکا دیا، اور اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قریش سابق الاسلام ہیں اور عرب قبائل میں جو اثر و رسوخ اور رعب و دبدبہ ان کو حاصل ہے وہ کسی اور قبیلہ کو حاصل نہیں۔ اس لیے ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کی امامت کا کامیاب ہونا انتہائی مشکل ہے۔

اس مفہوم کو دوسری حدیث میں یوں ادا فرمایا:

خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الاسلام اذا فقهوا[2] — جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر شمار ہوں گے، بشرطیکہ ان کو دین کا فہم حاصل ہو۔

اس حکیمانہ ارشاد کا فائدہ یہ ہوا کہ ایک عظیم فساد ہوتے ہوتے رک گیا۔

۲۔ جس طرح عام اشخاص کا ورثہ ان کی موت کے بعد ان کے اقارب و اعزہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت فاطمہؓ کا خیال تھا کہ آپ کا ورثہ بھی تقسیم ہو۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے جم غفیر میں یہ حدیث سنائی کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

لا نورث ما ترکناه صدقة[3] — ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

یہ امر واضح ہونے کے بعد کہ نبی کا ورثہ اولاد کو نہیں ملتا، بلکہ تمام امت کا ہوتا ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی مطمئن ہو گئیں[4]

۳۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ اختلاف بھی پیدا ہوا کہ جسد مبارک کو کہاں دفن کیا جائے۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ آپ کو اپنے آبائی وطن مکہ لے جا کر سپرد خاک کیا جائے۔ بعض کہتے تھے کہ یہ سعادت مدینہ کو حاصل ہونی چاہیے۔ تیسرے گروہ کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ بیت المقدس میں لے جایا جائے کیوں کہ وہ انبیاء سابقین کا مدفن ہے۔ اس بات پر اختلاف بڑھا۔ اس موقع پر بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایمانی فراست کام آئی اور صحابہ کو یہ حدیث سنائی۔

انه لم یدفن نبی الا حیث یقبض[5] — نبی کو وہیں دفن کیا جاتا ہے، جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔

---

[1] فتح الباری مطبع انصاری پ۲۸ ص۲۴۵ [2] صحیح مسلم [3] مشکوٰۃ ص۵۵۱ بحوالہ بخاری و مسلم [4] بیہقی جلد ۶ ص۳۰۱ [5] ترمذی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ جس حجرہ مبارکہ میں آپ نے وفات پائی تھی، وہیں قبر کھودی گئی۔[1]

۴۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں ملکِ شام کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں مقام سرغ پر پہنچ کر یہ اطلاع ملی کہ شام میں شدید طاعون پھیل گیا ہے۔ اس موقع پر بعض صحابہ واپس جانے کے حق میں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی خیال تھا۔ بعض حضرات شام جانے پر مصر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا۔

أتفرّ من قدر اللہ — کیا آپ خدا کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟

برملا فرمایا:۔

نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ — ہم خدا کی تقدیر سے اسی کی تقدیر ہی کی طرف بھاگتے ہیں۔

اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ حدیث پیش کی۔

"جہاں وبا پھیلی ہو وہاں سے نکلا نہ جائے اور نہ ایسے علاقہ میں داخل ہوا جائے جہاں وبا پھیل چکی ہو۔"[2]

مذکورہ صدر مثالوں سے یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ قرنِ اول میں حدیث نبوی ملت کے اختلاف نہیں بلکہ اتحاد کی اساس ثابت ہوتی رہی تھی۔ لہٰذا منکرینِ حدیث کا یہ ڈھنڈورا پیٹنا کہ "حدیث نبوی امت میں موجب اختلاف رہی ہے" سراسر بے بنیاد اور لغو ہے۔

ائمہ مجتہدین کے عہد میں ملت کی شیرازہ بندی:

یہ تو قرنِ اول کی بات تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کر کے ملت کی جو شیرازہ بندی کی تھی، اس کے اثرات و ثمرات ائمہ مجتہدین کے عصر و عہد میں بھی رونما ہوتے رہے۔ فروعی جزوی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا قابلِ برداشت اختلاف بذات خود اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ دین اسلام کا دامن بے حد کشادہ اور وسیع ہے اور اس میں تحزّب اور فرقہ بندی کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ مشہور حدیث "اختلاف أمّتی رحمۃ" کا پایۂ استناد کیسا بھی ہو، اس میں شبہ نہیں کہ اس کا مفہوم بلاشبہ درست ہے۔ فروعی اختلافات عہدِ صحابہ و تابعین میں بھی موجود تھے مگر ان میں حدّت و شدّت کا وجود نہ تھا فرقہ وارانہ اجنبیّت و عصبیّت دورِ انحطاط کی پیداوار ہے۔ عہدِ سعادت اور دورِ ترقی کی نہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۵ صفحہ ۲۶۶ [2] زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد صحابہ میں اختلاف کی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی قریظہ پر حملہ کے موقع پر صحابہ کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ :۔

لا یصلین احدکم صلوٰۃ العصر الا فی بنی قریظۃ [1]

تم میں سے کوئی نمازِ عصر ادا نہ کرے مگر بنی قریظہ کے علاقہ میں۔

ابھی منزل مقصود پر پہنچے بھی نہ تھے کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ صحابہؓ آنحضورؐ کے ارشاد مبارک کے فہم و ادراک کے سلسلہ میں دو گروہوں میں بٹ گئے۔

ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کی بنا پر ہمیں عصر اسی جگہ ادا کرنی چاہیے، جہاں آپ نے مامور فرمایا۔ دوسری رائے یہ تھی کہ اس ارشاد کا اصل منشا یہ ہے کہ ہم اتنی جلدی مسافت طے کریں کہ عصر کے وقت بنی قریظہ کے علاقہ میں پہنچ جائیں۔ اب جب کہ کوشش کے باوجود ہمیں اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو ہمیں نماز قضا کرنے کے بجائے راستہ ہی میں ادا کر لینی چاہیے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس اختلاف کی تفصیل پیش کی گئی تو آپ نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی قابل سرزنش نہ ٹھہرایا۔[2]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین کے درمیان ایک سے زیادہ آراء کا ظہور اس بنا پر ہوا کہ کسی آیت یا حدیث کے مفہوم کو متعین کرنے میں اختلاف رونما ہوگیا۔ یہ فہم و ادراک کا اختلاف تھا، بنیادی اور حقیقی اختلاف نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین اختلاف رائے کے باوجود باہمی فساد و عناد کا شکار نہ ہوئے اور نہ انہوں نے کبھی یہ گوارا کیا کہ ملتِ اسلامیہ اس قسم کی صورتِ حال کی بنا پر مختلف امتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو جائے لیکن افسوس آج اسی نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت متعدد فرقوں میں بٹی ہوئی ایک دوسرے سے بیگانہ و برسرِ پیکار ہے۔

★★

فتح الباری کامل مجلد مع مقدمہ

تذکرۃ الحفاظ۔ میزان الاعتدال۔ اعلام الموقعین۔ الدر المختار۔ تاریخ الکبیر للامام البخاری۔ النہایہ لابن الاثیر۔ تہذیب التہذیب، الترغیب والترہیب۔ القاموس المحیط۔ بہجۃ النفوس۔ شرح البخاری۔ سنن دارقطنی۔ سنن دارمی۔ بدائع الفوائد۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال۔ تفاسیر و احادیث و کتب تواریخ وغیرہ۔ آپ ایسی کوئی کتاب بیچنا چاہیں تو ہمیں یاد فرمائیں

رحمانیہ دار الکتب امین پور بازار لائلپور

۱ے صحیح مسلم، زاد المعاد ۲ے صحیح بخاری ... زاد المعاد ...

© rasailojaraid.com